اُردو کا نفاذ ناگزیر کیوں؟

ڈاکٹر حسیب احمد

عدالت عظمیٰ کی حالیہ ہدایات کے تحت دستور کی دفعہ ۲۵۱(ا) کے مطابق قومی زبان کو اختیار کرنے کے لیے کچھ عملی اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ یہ نہایت خوش آیند ہے۔ لیکن یہ کام مختصر اور آسان نہیں۔ اس حوالے سے یہ تحریر پیش ہے۔ ادارہ

اُردو کے نفاذ کا مسئلہ کسی قومی، ملکی، یا نسلی عصبیت کا مسئلہ نہیں ہے کہ ایک زبان کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری زبان نافذ کر دی جائے، بلکہ یہ دینی، قومی، ملکی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسئلہ ہے۔ یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے یا مبالغے پر، آیئے جائزہ لیتے ہیں۔

● **دینی پہلو**: یہ دینی مسئلہ اس طرح ہے کہ عربی کے بعد سب سے زیادہ اسلامی لٹریچر اُردو میں ہے۔ اُردو فہمی آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی ہے۔ اگر استعماری اور غیر استعماری سازش کے تحت اُردو زبان ختم ہو جاتی ہے تو ہماری آنے والی نسلوں کا کیا بنے گا؟ ماہرین کہہ رہے ہیں کہ اگر ہماری یہی روش رہی تو اُردو کا وجود بس ۲۰، ۲۵ سال کی کہانی ہے (یعنی اُردو بس بول چال کا ذریعہ رہ جائے گی، لکھنے پڑھنے اور برتنے کی چیز نہیں ہوگی)۔

ادب انسان کو اچھا انسان بنانے میں مددگار ہوتا ہے۔ آنے والی نسلیں اُردو ادب سے تو کٹتی جا رہی ہیں، وہ اُردو میں لکھے گئے نہایت قیمتی دینی لٹریچر سے بھی کٹ جائیں گی۔ یہ اندازہ لگانے کے لیے آدمی کا دانش ور ہونا ضروری نہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ابھی ایسی صورت حال نہیں ہے، لیکن غور کیا جائے تو ہم اسی طرف تیزی سے جا رہے ہیں۔ کیوں نا مسئلے کے سنگین ہونے سے پہلے اس پر قابو پانے کی کوشش کی جائے؟

کہا جا سکتا ہے کہ قرآن اور احادیثِ نبویؐ میں تو کسی خاص زبان کی ترویج کا حکم نہیں

ہے۔ یہ بات درست ہے کہ قرآن و حدیث نبویؐ میں ایسی کوئی صریح ہدایت نہیں ہے۔ البتہ، قرآن میں دو جگہ اس کی طرف اشارے ضرور ملتے ہیں۔ ایک تو سورہ حٰم السجدہ کی آیت ۴۴ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (مشرکین کے اعتراض کے جواب میں) ''اگر ہم اس قرآن کو عجمی (زبان میں) بھیجتے تو یہ لوگ کہتے، کیوں نہ اس کی آیات کھول کر بیان کی گئیں؟ کیا عجیب بات ہے کہ کلام عجمی ہے اور مخاطب عرب ہیں''۔ دوسری جگہ سورۂ ابراہیم کی آیت ۴ میں فرمایا گیا ہے: ''ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے، اس نے اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا ہے، تاکہ وہ انھیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے''۔ گویا کسی چیز یا موضوع کا ابلاغ متعلقہ لوگوں کی اپنی زبان میں ہی کماحقہ ممکن ہے۔ اجنبی زبان میں لوگوں کو صحیح طور پر نہیں سمجھایا جاسکتا۔

پاکستان میں اُردو کا نفاذ اسلام کی روح کے عین مطابق ہے اور بدیسی زبان کا نفاذ اسلام کی روح کے بالکل منافی ہے۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ مسلمان اللہ اور رسولؐ کی تعلیمات سے قریب ہوں اور دنیاوی طور پر تمام مروجہ علوم وفنون کے ماہر۔ اب سوچ لیجیے کہ اگر قوم کے اوپر غیرملکی زبان مسلط ہو جس پر عبور رکھنے والے دو چار فی صد سے زیادہ نہ ہوں تو کیا اس قوم کے نوجوان مروجہ علوم وفنون پر بآسانی صحیح طور پر عبور حاصل کرسکیں گے؟ اپنی زبان کے خاتمے یا کم فہمی کی وجہ سے کیا یہ نوجوان اپنے تہذیبی ورثے سے کٹ نہیں جائیں گے؟ اپنی زبان اور ادب سے بے بہرہ یہ نوجوان جب تعلیم و تدریس کے شعبے میں آئیں گے تو کیا اپنے شاگردوں کو آسان زبان میں موضوع کو سمجھاسکیں گے یا کسی مذاکرے میں اپنا مافی الضمیر سہل انداز میں پیش کرسکیں گے؟ کسی موضوع پر کوئی مضمون یا کتاب آسان اور عام فہم زبان میں لکھ سکیں گے؟ ایک حدیث نبویؐ کا مفہوم ہے کہ ''آسانیاں پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو'' (یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، بخاری، حدیث ۶۱۹۲، کتاب الآداب)۔ خود سوچ لیجیے کہ جہاں انگریزی سمجھنے والے دو چار فی صد سے زیادہ نہ ہوں، وہاں دفتری امور نمٹانا اور تعلیم حاصل کرنا انگریزی میں آسان ہوگا یا اُردو میں؟

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ۱۹۳۹ء کا یہ فتویٰ بھی موجود ہے کہ: ''اس وقت اُردو زبان کی حفاظت حسبِ استطاعت واجب ہوگی اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سُستی کرنا معصیت اور موجبِ مواخذۂ آخرت ہوگا''۔ اب تو اُردو کے لیے حالات اور بھی بدتر ہوگئے ہیں۔

● **سیاسی پہلو**: اگر قومی، ملکی اور سیاسی تناظر میں دیکھا جائے تو ذرا سوچیے کہ دنیا میں آپ کسی ایک ملک کی بھی مثال دے سکتے ہیں، جس نے اپنی زبان چھوڑ کر کسی غیر ملکی زبان کو استعمال کر کے ترقی حاصل کی ہو؟ کرۂ ارض پر ایسی کوئی مثال نہیں ہے۔ جاپان کے بارے میں تو کہا جاتا ہے کہ جب دوسری عالمگیر جنگ میں شکست کے بعد فاتح امریکا نے شہنشاہ جاپان سے پوچھا: مانگو کیا مانگتے ہو؟ تو دانا اور محبِ وطن شہنشاہ نے جواب دیا: اپنے ملک میں اپنی زبان میں تعلیم''۔ اس لین دین کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ غرض جاپان، جرمنی، فرانس وغیرہ بلکہ دنیا کے جس ملک نے بھی ترقی کی ہے، اپنی زبان میں تعلیم دے کر ہی کی ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ اگر غیر ملکی زبان میں تعلیم دی جائے تو طالب علم کی تقریباً ۵۰ فی صد توانائی (بعض اوقات تو ۷۰ اور ۸۰ فی صد) دوسری زبان سمجھنے پر خرچ ہوتی ہے اور بقیہ ۲۰ تا ۳۰ فی صد نفسِ مضمون پر۔

دوسری طرف یہ دیکھیے کہ میٹرک اور انٹر میں ہمارے طلبہ و طالبات کی اکثریت کس مضمون میں ناکام (فیل) ہوتی ہے؟ جواب واضح ہے کہ انگریزی میں۔ پنجاب میں پچھلے ۱۰ سال کے نتائج کے مطابق میٹرک کے اوسطاً ۶۴ فی صد طلبہ انگریزی میں فیل ہوئے اور انٹر کے ۸۷ فی صد۔ ان طلبہ میں کافی تعداد ایسے نوجوانوں کی ہوسکتی ہے جو انگریزی کے علاوہ دوسرے مضامین یا شعبوں میں اچھے ہوں اور آگے چل کر دوسرے شعبوں میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرسکیں۔ اس طرح ہماری قوم ہر سال معتد بہ تعداد میں اچھے اذہان سے محروم ہوجاتی ہے۔

● **معاشی پہلو**: پاکستان میں اُردو کے نفاذ کا ایک معاشی پہلو یوں بھی ہے کہ ملک میں انگریزی سمجھنے والے دو چار فی صد سے زیادہ نہیں ہیں۔ یہ زبان (انگریزی) دراصل ہماری اشرافیہ یا 'کالے انگریزوں' جرنیلوں اور نوکر شاہی کی زبان ہے۔ انگریزی ہی کی بدولت ان لوگوں کا اقتدار اور برتری قائم ہے۔ اگر اُردو پاکستان کی سرکاری زبان بن جاتی ہے تو ان کالے انگریزوں اور ان کی آنے والی نسلوں کا اقتدار اور برتری ختم ہو جائے گی۔ اگر اُردو ہماری سرکاری زبان نہیں بنتی تو غریب اور متوسط طبقے کے بچے کلرک، مزدور اور چپراسی ہی بنیں گے، چاہے کتنے ہی ذہین کیوں نہ ہوں، اور کلیدی اسامیاں مقتدر طبقے ہی کے بچوں کا مقدر بنیں گی۔ سی ایس ایس کے امتحان اُردو میں نہ کروانے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ آج بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امتحانی مراحل اور مصاحبوں

(انٹرویو) میں وہی امیدوار کامیاب ہوتے ہیں جن کی انگریزی اچھی ہوتی ہے، چاہے نفسِ مضمون میں وہ کتنے ہی کم زور کیوں نہ ہوں۔

انگریزوں کی آمد سے قبل ہندستانی مسلمانوں کی تعلیمی حالت کیا تھی؟ اس بارے میں ایک برطانوی اعلیٰ افسر جنرل سلیمین کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں: ''دنیا میں صرف چند قومیں ایسی ہوں گی جیسی کہ مسلمانان ہند ہیں اور جن میں تعلیم اعلیٰ پایہ کی ہے اور سیر حاصل ہے۔ جس (بھی) آدمی کی تنخواہ -/۲۰ روپے ماہانہ ہے، وہ اپنے بچوں کو ایسی تعلیم دیتا ہے، جیسی انگلستان کے وزیراعظم کی ہوتی ہے۔ یہ افراد عربی، فارسی کے ذریعے، اس طرح کا علم حاصل کرتے ہیں جیسا ہمارے نوجوان یونانی اور لاطینی کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ ان کا علم اسی پایہ کا ہوتا ہے، جس پایہ کا اوکسفرڈ کے فارغ التحصیل کا۔ یہ عالم بغیر کسی جھجک کے سقراط، ارسطو، افلاطون، جالینوس اور بوعلی سینا کی تعلیمات پر گفتگو کرتا ہے۔ ہم میں سے بہترین یوروپین بھی اعلیٰ خاندان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے سامنے علمی لحاظ سے خود کو کم تر اور گھٹیا محسوس کرتے ہیں، بالخصوص جب کوئی سنجیدہ علمی گفتگو ہو''۔

ہم کیا تھے اور ہمارے انگریز آقا ہمیں کیا بنانا چاہتے تھے۔ اسی طرح لارڈ میکالے، رکن قانون ساز گورنر جنرل کونسل کے ۲ فروری ۱۸۳۵ء کو برطانوی پارلیمنٹ سے خطاب کا درج ذیل اقتباس دیکھیے: ''میں نے ہندستان کا مکمل دورہ کیا ہے۔ میں نے یہاں کسی کو بھکاری دیکھا ہے نہ چور۔ میں نے اس ملک میں اس قدر فارغ البالی، ثروت، اخلاقی اقدار اور نہایت اعلیٰ ظرف کے افراد دیکھے ہیں کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم اس ملک کو اس وقت تک فتح کر سکتے ہیں جب تک اس قوم کی کمرِ ہمت کو شکستہ نہیں کر دیں، جو دراصل اس کا ثقافتی و روحانی ورثہ ہے۔ چنانچہ میری تجویز ہے کہ ہم ان کے قدیم نظامِ تعلیم اور ثقافت کو تبدیل کر دیں تاکہ ہندستانیوں کو یہ یقین ہو جائے کہ جو کچھ باہر سے آرہا ہے اور انگلستانی ہے وہ مستحسن و عظیم ہے بہ نسبت ان کے اپنے نظامِ ثقافت کے۔ اس طرح ان کی عزتِ نفس ختم ہو جائے گی، ان کی ثقافت داستانِ ماضی ہو جائے گی، اور وہ وہی ہو جائیں گے جو ہم اُنھیں بنانا چاہتے ہیں، ایک صحیح طرح مغلوب قوم ....''۔

چنانچہ انگریزوں کی آمد کے بعد، اس طرزِ تعلیم میں قطع و برید کی گئی۔ سب سے اوّل علم دین کو خارج کیا گیا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ دیگر اجزاے علم اور عربی و فارسی کو عام تعلیم سے

خارج کیا گیا، بالآخر طالب علم، علم کے لحاظ سے ناقص، اور صرف سرکاری ملازمت اور اہل کار ہونے کے قابل رہ گئے۔

● **معاشرتی پہلو:** اُردو اپنے حق کے مطابق اگر مروج نہیں ہوسکی ہے تو اس کا ایک معاشرتی نقصان یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کی انگریزی اچھی نہ ہو وہ انگریزی جاننے والوں سے عموماً خود کو کم تر سمجھنے لگتے ہیں اور نتیجتاً اپنی قوتِ کار کو گھٹا لیتے ہیں۔ دوسری طرف انگریزی جاننے اور اس کو اوڑھنا بچھونا بنا لینے والے خواہ مخواہ احساس برتری کا شکار ہو کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور اپنی علمیت کا رعب جھاڑنا ان کی عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے، نیز وہ اپنی زبان کو بگاڑ لیتے ہیں۔

جملۂ معترضہ کے طور پر عرض ہے کہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں ۳۰ سال تک تمام مضامین اُردو میں پڑھائے جاتے رہے۔ یہ سلسلہ سقوطِ حیدرآباد تک جاری رہا جس کے بعد وہاں اُردو ذریعۂ تعلیم کو ختم کر دیا گیا۔ بعد میں ایک غیرملکی وفد نے وہاں کا دورہ کرنے کے بعد اُردو ذریعۂ تعلیم ختم کرنے کی وجہ پوچھی تو منتظمین کوئی جواب نہ دے سکے۔ ہمارے ہاں جو واقعی بڑے لوگ گزرے ہیں، ان کی بہت بڑی اکثریت اُردو میڈیم کی پڑھی ہوئی ہے۔ انگریزی میڈیم نے کوئی بڑی شخصیت پیدا نہیں کی، الا ماشاء اللہ۔ جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل ڈاکٹروں کی اپنے مضمون پر گرفت اتنی مضبوط تھی کہ برطانیہ میں ایف آر سی ایس وغیرہ کے داخلہ ٹیسٹ سے ان کو مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ دراصل تخلیقی قوت اپنی ہی زبان سے آتی ہے۔

آپ نے کسی انگریز یا امریکی کو انگلستان یا امریکا میں نمبر (اعداد) اُردو میں بتاتے ہوئے یا اپنی گفتگو میں جابجا اُردو الفاظ استعمال کرتے ہوئے دیکھا یا سنا ہے؟ یقیناً نہیں سُنا ہوگا، تو ان کے مقابلے میں تھوڑی بہت حمیت کا مظاہرہ تو ہمیں بھی کرنا چاہیے۔ یہاں پر دو واقعات ملاحظہ کیجیے جو آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں۔

ایک معالجِ امراضِ ذہنی کہتے ہیں کہ انھوں نے ایسے انگریزی میڈیم اسکول میں تعلیم حاصل کی جہاں پڑھانے والے بھی انگریز تھے۔ اگر غلطی سے کوئی اُردو کا لفظ زبان سے نکل جاتا تو بہت شرمندگی اٹھانی پڑتی تھی۔ پھر انٹر میں بھی ذریعۂ تعلیم انگریزی ہی تھی۔ ایم بی بی ایس تو تھا ہی انگریزی میں۔ اس کے بعد وہ تخصیص (اسپیشلائزیشن) کے لیے امریکا چلے گئے۔ وہاں پڑوسی ملک میکسیکو

(جو کہ امریکا کے بالکل ساتھ واقع ہے) سے بھی ڈاکٹر اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکا آئے ہوئے تھے۔ ان ڈاکٹروں کو انگریزی بالکل نہیں آتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اپنی انگریزی دانی پر بہت خوش تھے کہ انھیں انگریزی آتی ہے اور میکسیکو کے ڈاکٹروں کو انگریزی نہیں آتی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے چھے ماہ کے اندر میکسیکو کے ڈاکٹروں نے انگریزی میں اتنی استعداد پیدا کرلی کہ اپنا کام بخوبی چلانے لگے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ پھر مجھے بڑا افسوس ہوا کہ جو کام میں چھے مہینے کی محنت سے کرسکتا تھا، اس کے لیے میں اپنے تہذیبی ورثے، اقبالؔ، غالبؔ، میرؔ، اکبرالٰہ آبادی وغیرہ سے کٹ گیا کہ اتنی انگریزی پڑھنے کے باوجود انگریزی کی نسبت اُردو میں اظہارِ خیال کرنا زیادہ آسان ہے کیونکہ اُردو اپنی زبان ہے۔

دوسرا واقعہ انگلستان کے ایک وزیرِ تعلیم کے دورۂ پاکستان کا ہے۔ ہمارے کالے انگریزوں نے انھیں اپنے انگریزی میڈیم اسکولوں کا دورہ کرایا۔ دورے کے بعد ان سے پاکستانی بچوں کو انگریزی میں تعلیم دیے جانے پر ان کے تاثرات پوچھے گئے۔ ہمارے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ صاحب اس بات سے بہت خوش ہوں گے لیکن انھوں نے جو جواب دیا وہ سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ انھوں نے کہا کہ: ''اگر میں اپنے ملک میں ایسا کرتا کہ کسی غیرملکی زبان میں طلبہ کو تعلیم دلواتا تو دو جگہوں میں سے ایک جگہ مجھے ضرور جانا پڑتا: پھانسی گھاٹ یا پھر پاگل خانے''۔ بقول ان کے دوسری زبان میں تعلیم دینے سے بچے کی ذہانت اور تخلیقی صلاحیتیں ختم ہوجاتی ہیں۔

● **آئینی پہلو**: پاکستان میں اُردو کا نفاذ سیاسی ہی نہیں آئینی پہلو سے بھی اہم ہے۔ پاکستان کے ہر آئین میں اُردو کے نفاذ کی ضمانت دی گئی ہے۔ آئین کسی قوم اور ملک کی نہایت اہم اور مقدس دستاویز ہوتی ہے جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۲۵۱ (۱) میں ان الفاظ میں اُردو کے نفاذ کی ضمانت دی گئی ہے:

> پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے اور یومِ آغاز سے ۱۵ برس کے اندر اندر اس کو سرکاری و دیگر اغراض کے لیے استعمال کرنے کے انتظامات کیے جائیں گے۔

تحریکِ پاکستان کی بنیاد میں دو چیزیں تھیں: ایک اسلام اور دوسری اُردو زبان، کیوں کہ ہندو اکثریت ان دونوں کے درپے تھی۔ آج بھی خلفشار کے اس دور میں یہی دو چیزیں پاکستان کو متحد رکھ سکتی ہیں۔ اُردو کے مخالف جب اُردو پر یہ غلط اور بے بنیاد اعتراض کرتے ہیں کہ اُردو میں

سائنسی مضامین نہیں پڑھائے جاسکتے حالانکہ لگ بھگ ۳۰ برس تک جامعہ عثمانیہ اور انجینیرنگ کالج رڑکی اور دیگر جگہوں پر اعلیٰ ترین سائنسی مضامین بشمول ایم بی بی ایس، بی ای، اُردو میں پڑھائے جاتے رہے ہیں۔ جہاں تک اس اعتراض کا تعلّق ہے کہ اُردو سرکاری یا دفتری زبان نہیں بن سکتی، تو حیدرآباد دکن کا ذکر تو چھوڑیے جہاں سرکاری دفاتر میں تمام کام اُردو میں ہوتا تھا، موجودہ دور میں مقتدرہ قومی زبان جیسا ادارہ اُردو کو دفتری زبان بنانے کے لیے پچھلی صدی سے تیار بیٹھا ہے۔ یہ ادارہ کہتا ہے کہ بس حکم کی دیر ہے، اُردو زبان نافذ ہونے کے لیے بالکل تیار ہے۔ اُردو جدید اطلاعاتی دور کے شانہ بشانہ چلنے کی بھی اہلیّت رکھتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کمپیوٹر پر اُردو رسم الخط میں کام کے حوالے سے یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اِن پیج کے سوا کام نہیں ہوسکتا جس کی وجہ سے اُردو معلومات کو ترسیم (گراف)، چارٹ، جدول میں اُس طرح پیش کرنا ممکن نہیں جیسے انگریزی میں ممکن ہے۔ مگر اُردو کے بہی خواہوں کے لیے خوش خبری یہ ہے کہ سافٹ ویئر ماہرین نے اب ان پیج اپلی کیشن کو مائکروسافٹ ورڈ اور ایکسل کے ساتھ جوڑ کر ان سافٹ ویئرز پر اُردو میں کام کرنا بہت آسان بنا دیا ہے، نیز ان پیج کا مواد یونی کوڈ میں تبدیل کرنا ممکن ہے جس کے بعد اُردو مواد کو انٹرنیٹ کے ذریعے برق رفتاری سے ارسال کیا جاسکتا ہے (اس سلسلے میں ایک ویب سائٹ www.urdu.ca سے کلیدی مدد لی جاسکتی ہے)۔

● **صوبائی زبانوں کے لیے اہمیت**: پاکستان میں پنجابی، سندھی، بلوچی اور پشتو وغیرہ سب زبانیں ہماری اپنی زبانیں ہیں۔ ہمارا آئین بھی دفعہ ۲۵۱- (۳) کے تحت انھیں ان الفاظ میں تحفظ دیتا ہے: ''قومی زبان کی حیثیت کو متاثر کیے بغیر، کوئی صوبائی اسمبلی قانون کے ذریعے قومی زبان کے علاوہ کسی صوبائی زبان کی تعلیم، ترقی اور اس کے استعمال کے لیے اقدامات تجویز کر سکے گی''۔

ملک میں اس وقت اہمیّت کے لحاظ سے انگریزی پہلے درجے پر ہے، اُردو دوسرے اور صوبائی زبانیں تیسرے درجے پر۔ جب اُردو سرکاری زبان بن جائے گی تو اہمیّت کے لحاظ سے اُردو پہلے درجے پر آجائے گی، صوبائی زبانیں بہ لحاظ اہمیّت تیسرے سے دوسرے درجے پر آجائیں گی، یعنی اُردو کا نفاذ ہماری علاقائی زبانوں کے تحفظ اور ترقی میں بھی مدد و معاون ہوگا۔

ہمارے ساتھ یہ کتنا بڑا مذاق ہے یا پھر المیہ کہ ہماری قومی زبان الگ ہے اور سرکاری زبان

الگ، لیکن ہم اس تضاد کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ ہم نے اس کو زندگی کا لازمہ سمجھ لیا ہے۔ دراصل اُردو کے نفاذ سے اقتدار، عوام کو منتقل ہو جائے گا۔ شاید یہی امر اُردو کے نفاذ میں رکاوٹ ہے۔

● **انگریزی کا مقام:** ہم نے انگریزی (بمقابلہ اُردو) کے لیے جو کچھ کہا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انگریزی کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور ہم انگریزی سے قطع تعلق کر لیں۔ فی زمانہ انگریزی سائنس اور ٹکنالوجی کی زبان ہے۔ اگر ہمیں سائنس اور ٹکنالوجی میں آگے بڑھنا ہے تو ہمیں انگریزی سیکھنی ہوگی۔ ہم جس چیز کے مخالف ہیں وہ صرف یہ ہے کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم ہو اور سرکاری زبان ہو۔ ہم انگریزی کے بطور مضمون پڑھائے جانے کے مخالف نہیں۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی تعلیم کے لیے اصل کتب کے اُردو تراجم ہونے چاہییں۔ لیکن یہ کام سرکاری سرپرستی چاہتا ہے جس کے لیے ہمیں کوشش کرنی پڑے گی۔ یاد رکھیے! ہمارے بعد جو لوگ آرہے ہیں وہ اس مسئلے کی اہمیت کو بالکل نہیں جانتے۔ یعنی یہ کام اگر ہم نے کر لیا یا کرانے کی کوشش کرتے رہے تو ٹھیک ورنہ بعد میں یہ کام اور زیادہ مشکل ہو جائے گا اور وقت نکل جائے گا جو ابھی ہمارے پاس ہے۔ ذرا سوچیے ہمارا ملک ایک ایسے ملک کے طور پر شناخت کیا جائے گا جس کی زمین، فصلیں، ثقافت، لباس، غذائیں تو اپنی ہوں گی لیکن زبان اپنی نہیں ہوگی۔

کوئی یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنا ۱۰۰ فی صد وقت اُردو کے نفاذ کے لیے وقف کر دیں۔ نہیں، ہرگز یہ ہمارا مقصد نہیں کہ اپنی نوکری، اہل خانہ اور سماجی ذمہ داریوں کو چھوڑ کر بس، اُردو کی ترویج میں لگ جائیں۔ ہمیں اُردو کے نفاذ کی کوششوں کے لیے اپنا ۵۰ فی صد یا ۲۵ فی صد بلکہ ۱۰ فی صد وقت بھی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایک فی صد وقت تو اس کام کا حق بنتا ہے۔ یہ بھی دین اور ملک کی اہم خدمت ہے، بلکہ ایسی خدمت جو اہم ہونے کے باوجود توجہ سے محروم ہے۔

نفاذِ اُردو: کرنے کے کام

- کسی بھی کام کے لیے محنت کے ساتھ ساتھ خدا کی نصرت درکار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے باقاعدہ دعا کی جائے کہ نفاذِ اُردو کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچے۔
- جو لوگ اُردو کو نافذ کروانا چاہتے ہیں وہ آپس میں مل کر تنظیمیں بنا لیں۔ منظّم ہونے سے کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی تمام تنظیموں کے درمیان اشتراکِ عمل ہو۔

- دستخط انسان کی پہچان ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنے دستخط اُردو میں کرنے چاہییں۔
- اپنے اور اپنے اداروں کے تعارفی کارڈ (وزیٹنگ کارڈ) اُردو میں چھپوانے چاہییں۔
- اپنے چیک ہمیں اُردو ہندسوں میں لکھنے چاہییں۔ ایک عدالتی فیصلے کے تحت بنک ایسے چیک قبول کرنے کے پابند ہیں۔
- ہمارے یہاں دعوت نامے اس زبان میں چھاپے جاتے ہیں، جو نہ بلانے والے کی زبان ہے اور نہ بلائے جانے والوں ہی کی۔ ہمیں دعوت نامے مادری یا قومی زبان میں چھپوانے چاہییں۔
- اپنے موبائل فون کی ترتیب ہمیں اُردو میں رکھنی چاہیے اور مختصر پیغام بھی اُردو میں کرنے چاہییں۔
- ہمارے دفاتر اور کاروباری اداروں کو اپنے دفتری اور جملہ اُمور اُردو ہی میں نمٹانے چاہییں۔
- اپنی دکانوں اور دفاتر کے سائن بورڈ ہمیں اُردو (یا انگریزی کے ساتھ اُردو) میں لکھوانے چاہییں۔
- ہمیں حسب استطاعت اپنے مال کا ایک حصّہ نفاذِ اُردو کے لیے وقف کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے اس پر اَجر کی توقع رکھنی چاہیے۔ ہم نفاذِ اُردو کے مقصد میں کامیاب ہوگئے تو ملک کی تقدیر بدلنے میں ہمارے مال کا حصّہ بھی گنا جائے گا۔
- ہمارے ایک دن کے وقت کا ایک فی صد تقریباً ۱۴ منٹ بنتا ہے اور مہینے کا ایک فی صد تقریباً سات گھنٹے۔ اس وقت میں اپنے اہل خانہ، دوستوں، پڑوسیوں کے ساتھ اور دفتر کے ساتھیوں سے اس موضوع پر بات کریں اور انھیں اُردو کے نفاذ کی اہمیّت سے آگاہ کریں۔

ان امور پر عمل کرنے میں شروع میں ہمیں تکلیف تو ہوگی لیکن ان شاء اللہ یہ مشکل جلد رفع ہوجائے گی۔ یاد رکھیے! ہر بڑا کام محنت اور مستقل مزاجی چاہتا ہے۔

ایک حدیثِ نبویؐ کا مفہوم ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات سے لاتعلّق رہا وہ ہم میں سے نہیں۔ یاد رکھیے، اُردو کے نفاذ کا مسئلہ محض ایک زبان کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک دینی، قومی، ملکی، معاشی اور معاشرتی مسئلہ ہے۔ خدانخواستہ ایک دو نسلوں بعد اُردو (بطور زبان) مٹ گئی تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ بھی ہوں گے جو نہ جاننے یا جاننے کے باوجود اپنی مصروفیات میں سے وقت نہ نکال سکے۔ کیا ہم اس اہم مسئلے کے لیے اپنے وقت کا ایک فی صد بھی نہیں نکال سکتے؟

مقالہ نگار میڈیکل آفیسر، اسٹیٹ بنک آف پاکستان، کراچی ہیں